ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.4,Issue No.1(2022)
(January to June)

نذیر احمد کے ناولوں میں بیانیہ کا تصور

The Concept of Narrative in Nazir Ahmed's Novels

ڈاکٹر عظمی بشیر
وزٹنگ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract:

Narration is the multiple voice contained in any narrative work in variably represent diverse and often conflicting attitudes, philosophies and ideologies of regardless of the effort of the author. Narration is the way to demystify a story. True depiction of ancient ages and preservation of fading remnants of history is possible through narration. Narration is a way to express the nexus, continuity and proceeding in stream of cogitation in novels. This article study in hand elucidate different expression of narration in Nazir Ahmad's novels.

Key words: Narration, multiple voice, ideologies, preservation, Nazir Ahmad's novels.

زندگی کو عہد بہ عہد کی کہانی سے مسموم کیا جاتا ہے۔ جس میں معاشرے کی داخلی اور خارجی دونوں صورتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ کہانی قصے کی شکل میں فلم کی مانند انسانی ذہن میں بنتی رہتی ہے جو انسانی کشمکش اور تصادمات کے سلسلے کو آپس میں جوڑتی ہے اور نگینوں کی طرح اسے خوب صورتی اور نفاست عطا کرتے ہوئے وسیع مفاہیم کو جزوی طور پر نہیں بلکہ کُلی صورت عطا کرتی ہے اور ایسی بصیرت کا رہین کار ثابت ہوتی ہے جو احساس کی سرزمینوں کی فاتح ہے اور زندگی کی شعوری ترجمان بھی ہے۔

کہانی تخلیق نگار کے تخیل کے پردے میں بار بار دستک دیتی ہوئی دماغ کے شعور اور لاشعور میں ایک جامد اور قومی خیال کی صورت نمودار ہوتی ہے۔ اردگرد کے ماحول سے کرداروں کو سامنے بیٹھا کر ایک اسٹیج ڈرامہ ترتیب دیتی ہے۔ کہانی کی حقیقت اس پُتلی تماشے کی سی ہے جو خیال کی ڈور پر کرداروں کو رقص کرواتی ہے اور اپنی مرضی سے زندگی کے غم اور خوشیوں کی بساط سجاتی ہے۔ قاری کو ماضی سے حال اور حال سے مستقبل کی سیر کرواتی ہے۔ کہانی نہ صرف نسلِ انسانی کی تہذیب و ثقافت کی امین ہے بلکہ صدیوں پُرانی تہذیبوں اور معاشروں کے عروج زوال اور شکست وریخت کے ٹوٹتے بنتے زاویوں کو ایک منشور پر اکٹھا کرتی ہے۔ یوں زمانی فاصلے اور مکانی وسعتیں لامحدود ہوتی چلی جاتی ہیں۔

تخلیق ایسے ہی تجربات کے کرب انگیز اور حاصل کُن لمحات سے گزرتے گزرتے پختگی حاصل کرتی چلی جاتی ہے۔ تخیل کو حقیقت کا روپ دیتے ہوئے بعض ایسے حقائق بھی پس پردہ کہانی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جن سے عام قاری متاثر ہوتا ہے اور اس کی امتزاجی کیفیات جہانِ معنی کے در وا کرتی نظر آتی ہیں۔ لیونل ٹریلنگ Lionel Trilling اپنی نظریاتی تصنیف "Liberal Imagination" میں لکھتے ہیں کہ میں ناول کی عظمت اور فضیلت کا معترف ہوں۔ ناول ایک ایسے کشاکش پلیٹ فارم اور کینوس کا نام ہے دوسرے لفظوں میں اسے افادی کوشش بھی کہا جاسکتا ہے جس میں قاری کی راحت و سکون کا سامان موجود ہے۔ اس میں بیان کی گئی کہانی قاری کو اپنی کہانی محسوس ہوتی ہے اور وہ شعوری طور پر خود پر تنقیدی نظر ڈالتا ہے اور اپنی اقدار پر نظر ثانی کرتا ہے اور حقیقت پر یقین کرتا ہے کہ ناول سے حاصل ہونے والے علم کی نئی صورتِ حال سے مستفید کیسے ہو گا؟ کیا وہ ایسی حقیقت سے وابستگی اختیار کر رہا ہے جو منفی اور اضطرابی قدروں کو فروغ دینے کا موجب ہے؟ کیا یہ مثبت انسانی رہنمائی بھی ہے؟ اسے سوچ بچار کا لامتناہی سلسلہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے جو ناولوں کی شکل میں ممکن ہو سکتی ہے۔ ناول کا مضبوط ستون اس کا کہانی پن ہے۔

ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

"تخلیق نگار کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مثبت تعمیری قدروں، سوچوں اور فلسفوں کے فروغ کے لیے غیر متعصبانہ رویہ اختیار کرے اور اس کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہو کہ اس کے ناول کو جب مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے پڑھیں اور وہ سب انسانی اقدار کے حوالے سے زندگی کے متعلق سوچیں اور متاثر ہوں۔"(۱)

کہانی کو جس وژن سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ناول کا اہم عنصر ہے اور بقول ڈاکٹر احسن فاروقی وژن کا تعلق واقعات، مواد اور ہیئت سے ہے۔ صنعتی عہد کی مصروفیت اور مادیت کے غلبے نے انسانی سوچ اور فکر کو جس حد تک متاثر کر رکھا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں انسانیت ذہن کی تازگی کے لیے ضروری ہے کہ وہ حقیقی کہانی سے لطف اندوز ہو اور انسانی سوچ کی وسعت کو ایک لامحدود پلیٹ فارم پر ایک خاص رخ پر منتشر خیالات کو جمع کرنے کی سعی کرے۔ ایک دن کی روداد بھی ایسے ترتیب دی جائے کہ محسوس ہو کہ تاریخ فکشن کے دل میں سما گئی ہے۔ وقت کہانی کا مضبوط سہارا ہے۔ یہ چند پل بھی ہو سکتے ہیں۔ چند دن، چند ہفتے، چند مہینے یا چند سال اور کبھی کبھی یہ سالوں کی سرحدیں پھلانگتے ہوئے صدیوں کے پل صراط پر جا نکلتا ہے۔

E.M Faster نے "Aspact of the novel" میں لکھا ہے:

"But in it, the novle the allegiance to time is imperative, no novel could be written without it."(2)

وقت کے قصے یا کہانی کی ترتیب کو تہذیب کا اہم عنصر گردانا جا سکتا ہے۔ واقعات اور جزئیات مل کر کہانی ترتیب دیتے ہیں۔ قصے کی ترتیب میں نظم وضبط کا خیال رکھنا بھی تخلیق نگار کی علمیت اور ذہانت کا عملی امتحان ہوتا ہے۔ کئی دفعہ تخلیق نگار منطقی ربط کو توڑتے ہوئے ترتیب الٹ دیتے ہیں، قصے یا کہانی کو وہاں سے شروع کرتے ہیں جہاں اس کا اختتام ہونا تھا۔ پیش کش کا انداز ہی بیانیہ کی تفہیم کو کلیدی حیثیت عطا کرتا ہے۔ ناول میں ایک قصہ بھی ہو سکتا ہے اور کئی قصوں کو ایک ساتھ بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ تخلیق کار اس تشکیل کے لیے کُلی طور پر آزاد ہے۔ اردو ادب میں انیسویں صدی میں ہی اردو ناول کی آبیاری وجود میں آئی کہ کیسے کسی بھی عہد کے موجودہ مسائل اور اس کے حل کے نکاتی ایجنڈے کو کیونکر تخلیق راہ مہیا کی جا سکتی ہے۔ نذیر احمد سے شروع ہونے والا ناول ایسے انحطاطی دور کا تحفہ ہے۔ یہاں فرد کی شناخت، معاشرے کا استحکام اور فرد کی غلامی فکری رویوں کے لیے متبادل بیانیہ ناول کی شکل میں سامنے آیا۔ یوں ناول کی ابتداء اصلاحی نکتۂ نظر سے سامنے آئی اور کہانی کی پختہ صورت کو ایک فریم ورک ملا۔

"کہانی تو دراصل انسانی تجربات، مشاہدات اور ارتقاء کا خمیر اور ضمیر ہے۔ لہٰذا اسی کہانی کو ادب اور دیگر فنون میں کئی واسطوں اور ذریعوں سے پیش کیا جاتا ہے۔"(۳)

کہانی کا تعلق انسان سے روزِ اوّل سے قائم و دوئم ہے۔ انسان کی تخلیق بھی ایک کہانی ہی ہے۔ صدیوں کے سفر نے انسانی سوچ میں اس ادراک کو جاگزیں کیا کہ فطرتِ انسان اور کائنات میں کیا تال میل ہے؟ انسانی فطرت میں تہذیبی اثر نے کہانی کو ایک خاص رنگ و آہنگ عطا کیا ہے۔ کہانی انسانی سماج اور تہذیب کے رشتے کو جوڑنے کی درمیانی کڑی ہے۔ کہانی ایک ایسے خاکے کا نام ہے جس کی بنیاد معاشرے کے تہذیبی پہلوؤں پر استوار ہوتی ہے۔ کہانی ہی وہ لازوال سرمایہ ہے جس کی آغوش میں پناہ لیتے ہوئے قاری اپنے دکھ اور پریشانی کو بھول جاتا ہے اور اس کی طلسماتی دُنیا بے پناہ وسعت اور اثر پذیر تنوع رکھتی ہے۔ کہانی کی اسی طلسماتی سحر انگیزی کا نام ناول ہے۔ کسی بھی عہد کی سماجی اور نظریاتی تصور کو وسعت ناول کی تہہ دار کینوس کے ذریعے میسر آتی رہی ہے۔

ناول اپنے اِسی آفاقی پن کی وجہ سے نثر کے میدان میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اسے "Mother of all forms of Literature" بھی کہا جاتا ہے۔ ہر شے کی بُنت میں کاریگر کی فنکاری اور نفاست اہم مقام رکھتی ہے۔ اسی طرح ناول میں کہانی کو کس رخ پر سجایا جاتا ہے یہ نکتہ اہمیت کا حامل ہے۔ ناول دو عوامل اور اجزائے ترکیبی کا مضبوط حوالہ ثابت ہوتا ہے۔ ایک اس کا قصہ اور دوسرا کہانی پن جو اصل بنیاد ہے۔ قصے کے تفہیمی انداز داستانوی بھی ہوسکتے ہیں اور فلسفیانہ بصیرت کے حامل بھی جن میں مذہبی، سیاسی، تہذیبی، معاشرتی اور نفسیاتی عناصر کی عکس بندی کی جاتی ہے۔ ترسیل ایک ایسا سرکٹ ہے جس پر ناول کی عمارت سجائی گئی ہے۔ قصہ، کہانی پن اور ترسیل ابلاغ تہہ در تہہ آپس میں ایسے مشروط ہیں۔ جس طرح خون کی گردش کا تعلق دل سے منسلک ہے ایسے ہی ناول کی شکل میں ادب کے لیے ایسا پلیٹ فارم مہیا ہوا ہے جو معاشرتی الجھنوں، فکری رویوں اور فرد کی سماجی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ادب میں اس کا اظہار کرتا ہے۔ تخلیق کار شعوری طور پر زندگی کی مسرت اور زندگی کی کشاکش کی دل فریب تصویر قاری کے سامنے پینٹ کرتا ہے۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

"ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں دلچسپی پیدا ہو۔ پلاٹ، منظر نگاری، کردار سازی اور مکالمہ نگاری ناول کے بنیادی عناصر ہیں ناول سادہ زبان میں لکھی گئی کہانی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔"(۴)

ناول ایک طرح سے عصری زندگی کی دستاویز بھی ہوتی ہے۔ ناول کی ابتدا جس انحطاطی دور میں ہوئی وہ اسی دور کی منطقی سوچ کی عملی شکل پیش کرتا ہے۔ تاریخ، نفسیات اور معاشرتی اقدار کے زیرِ اثر ذہنی اور باطنی انقلابات کو نذیر احمد نے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ معنوی سطح پر یہ ناول کا ارتقائی عمل تھا۔ وہ ایسا دور تھا جب مسلمان حاکم سے محکوم ہوئے انگریزوں اور ہندوؤں کو غلبہ حاصل ہوا۔ مسلمانوں کے لیے ذہنی، معاشی اور تعلیمی پسماندگی کی فضا ہموار کی جارہی تھی۔ نذیر احمد نے مفاہمتی پالیسی کو اپناتے ہوئے معاشرتی زندگی میں تبدیلی لانے کے لیے خواتین کی تعلیم کے لیے "مراۃ العروس" لکھا۔ یہ اصلاحی نظریہ سماجی تبدیلی کی طرف مثبت قدم تھا۔ غدر کی ناکامی کے بعد نذیر احمد نے سماجی مسائل کی طرف مصلح اور مبلغ کی نظر سے دیکھا اور وہی منظر نامہ ہمیں ان کے ناولوں میں نظر آتا ہے۔ یہ منظر نامہ فرد کی داخلی کیفیات، تنہائی، مایوسی، ذہنی خلفشار اور طبقاتی کشمکش کو ظاہر کرتا نظر آتا ہے۔ سماجی جبر نے کہانی کی شکل میں نئی حسیت کو تخلیق کیا۔ نذیر احمد نے انگریزی ناولوں کی طرز پر تجربے کے ذریعے حساس بیانیہ کی بنیاد رکھی اور معاشرے کی کہانی کو فن کی دنیا میں روشناس کروایا۔ فرد اور سماج کی عصری زندگی کا گہرا مطالعہ اور عکاسی کو نذیر احمد کے ہاں بھرپور شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ انیسویں صدی کے متوسط طبقے کی زندگی کو درپیش عائلی مسائل اور بدلتی ہوئی ذہنی کیفیت کو جاندار کرداروں کے ذریعے ایک ایسی کہانی کی شکل میں پیش کیا۔ جو محکومی کی حد بندیوں کی وجہ سے کھوکھلی عقلیت پسندی تشکیک، بنیادی شناخت کا مسئلہ، سماجی رابطوں کا بندھن اور دھوکہ دہی کے بوجھ کو کمال خوبی سے بیانیاتی پہلوؤں کی شکل میں پیش کیا ہے۔ نذیر احمد کے ناول "مراۃ العروس"، "بنات النعش"، "توبۃ النصوح"، "فسانہ مبتلا"، "ابن الوقت"، "ایامی" اور "رویائے صادقہ" ایک ایسی کڑی ثابت ہوئے جس نے ناول کو ترقی کی سیڑھی عطا کی جس پر قدم رکھتے ہی ناول کو تخلیق ادب کی مستند ہیئت اور فارم مانا جانے لگا۔

انسان نے ہمیشہ تخلیقی ادب کی بنیاد تجربات پر رکھی ہے۔ یہ تجربہ ناول کے تخلیقی عہد کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات کی جھلکیاں بخوبی پیش کرتا ہے۔ اس عمل کی تکنیکی ارتقاء بیانیہ سے مسموم ہوتی ہے۔ پیشکش اور اندازِ بیان کے طریقے، حالات، مزاج اور طبائع کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ نذیر احمد نے واقعات کی ترتیب اور فکر وخیال کو پیش کش کا ایسا مربوط انداز بخشا ہے کہ یہ طرزِ بیان اِن کی پہچان بن گیا ہے۔

ان کے ناولوں میں کہانی کی چاشنی بہت اہمیت رکھتی ہے اور قاری کی توجہ شروع سے آخر تک تحریر سے جوڑے رکھتی ہے۔ اس ناول کا نقطۂ نظر اخلاقی ترتیب پر رکھا گیا ہے۔ نذیر احمد ''مراۃ العروس'' کے دیباچے میں تحریر کرتے ہیں:

''میں دیکھتا تھا کہ مردوں کی دیکھا دیکھی لڑکیوں کو بھی علم کی طرف خاص رغبت ہے۔ تب مجھ کو ایسی کتاب کی جستجو ہوئی جو اخلاق و نصائح سے بھری ہو اور ان معاملات میں جو عورتوں کی زندگی میں پیش آتے ہیں ان کے خیالات کی اصلاح اور ان کی عادات کی تہذیب کرے۔''(۵)

نذیر احمد کا اوّلین مطمحِ نظر معاشرہ ہی تھا۔ وہ اپنے عہد کے مورّخ بھی تھے۔ انھوں نے سماجی تاریخ کو اپنے ناولوں کی شکل میں محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ نذیر احمد کے ہاں کہانی تصورِ قصہ اور بیانیہ کی مضبوط روایت کو پیش کرتی نظر آتی ہے۔ بیانیہ کی خوبی یہ ہے کہ قصہ کے بیان سے قاری کا دل بے زار نہ ہو اور قصہ کی بُنت پختہ ہو۔ نذیر احمد نے قصے کی قومی شکل کو بیانیے کے ذریعے دلچسپی کے اعلیٰ عنصر کو اپنے ناولوں میں برقرار رکھا ہے اور آغاز سے لے کر منطقی انجام تک قصے اور کہانی پر گرفت قوی دکھائی دیتی ہے۔ ان کا اندازِ بیان قابلِ تقلید تھا۔ انھوں نے بیانیے کی تشکیل میں مخصوص اندازِ بیان اور گھریلو زندگی میں استعمال ہونے والی زبان و محاورات کو مصلح ہتھیار بنایا۔ جملوں کی ساخت اور دلچسپی کا عنصر اِن کے بیانیے کا تجریدی پہلو ہے۔

''الگ ہوئے پیچھے اس کی قدر معلوم ہوتی۔ دونوں وقت پکی پکائی کھالی اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔ الگ ہونے پر آٹا، دال، گوشت، ترکاری، تیل، نمک، ایندھن، سبھی کا فکر کرنا پڑے گا۔۔۔ ایک کا دل میٹھے چاولوں کو چاہتا ہے۔ دوسرے کو بھونی کھچڑی چاہیے، تیسرے کو پلاؤ درکار ہے، چوتھے کو قورما منظور ہے، پانچویں کو پرہیزی کھانا حکیم نے بتایا ہے۔ دس کے واسطے دس ہنڈیاں روز کے روز کہاں سے آئیں۔''(۶)

اس مثال سے نذیر احمد کی گھریلو بول چال اور قصہ گوئی کا جاندار پہلو سامنے آتا ہے۔ مراۃ العروس کے صفحات جابجا داستانوی اور وضاحتی بیانیے سے بھرے پڑے ہیں۔

رسم و رواج کے متعلق معلومات اور گھرداری کی معمولی سے معمولی تفصیل بھی اس ناول میں ملتی ہے۔ منفی اور مثبت رویوں کے اسباب و علل اور جامد و ساکت پہلوؤں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ محاورات اور استعارات کا استعمال بخوبی ملتا ہے۔ انہی کی مدد سے بیانیہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ نذیر احمد کی اہم اور بڑی کامیابی یہ ہے کہ انھوں نے کہانی کو تخیل اور داستان سے نکال کر زمینی حقائق سے رشتہ جوڑ دیا اور عام انسان کی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور روزمرہ زندگی کی خوشیوں اور مسائل سے منسلک کر دیا اور اس عہد کی زبان کے استعمال کو اوّلیت بخشی۔ دلّی کی معاشرت، رسم و رواج، زبان، تہذیب و تمدن اور معاشرتی ثقافت کو لفظوں کی مدد سے ایسی بساط سجائی کہ انسان عقل عش عش کر اٹھے۔ ان کے ہاں داستانوی رنگ بھی نمایاں ہے اور معاشرتی استحصال کا کرب بھی نوحہ کناں نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں مقصدیت کی اعلیٰ و ارفع عکاسی موجود ہے۔ اکبری اور اصغری کے رویّوں میں تفاوت کو بخوبی پیش کیا۔

نامناسب رویّوں کے نقصان اور مثبت سوچ کے پُر اثر نتائج کو پیش کرتے ہوئے مستحکم بیانیہ کی طرف قدم بڑھاتے نظر آتے ہیں۔ ان کی ناول نگاری میں روداد ی عنصر غالب ہے اور بیشتر تنقید نگاروں نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ ان کے ہاں ناول کے فنی محاسن کمزور ہیں مگر فنی سیرت سے زیادہ زندگی کی اصل شکل، حسن اور گھریلو زندگی کی جاندار عکاسی ملتی ہے۔ پورے ناول میں چند مردانہ کرداروں کے سوا باقی سب نسوانی کردار ہیں اور سارے کردار اصغری، اکبری، محمودہ، حجن، تماشا خانم، حسن آرا، جمال آرا، سلطانہ بیگم، شازمانی بیگم اور ماما عظمت جیسے کردار اپنی اپنی جگہ پر نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ کسی ایک کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ''مراۃ العروس'' کا عنوان ہی گھر کی دیواروں میں مقید ہو کر رہ گیا اور بیانیہ کو پہلی دفعہ حقیقی ناہمواریوں اور گھریلو پیچیدگیوں کو بیان کرنے کے لیے چنا گیا۔ باہمی تعلقات، شادی بیاہ

کے طور طریقے، امورِ خانہ داری، علم کی طاقت، سیاسی و سماجی حالات اور ان کے مقاصد کو معاشرت سے جوڑ دیا۔ ان کے ہاں فن کی مکمل اور اساس مقصدیت کی علمبر داری پر ہے۔ باقاعدہ طور پر سماجی مسائل کو موضوع سخن بنا کر کہانی کا ربط معاشرے کی تعمیر اور تنقید سے قائم کیا۔ ''مراۃ العروس'' میں متوسط طبقے کی کھوکھلی وضع داری اور ڈوبتی ہوئی خاندانی طاقت اور استحکام کے ردِ اعمال بخوبی پیش کیے گئے ہیں۔ اس ناول میں عصریت اور سماجیت کو بڑے خوب صورت انداز میں پیش کش کی مسند عطا کی گئی ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

''ادیب جب اپنے عصر کے واقعات سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے اندر تخلیقی مشن متحرک ہو کر اسے روح عصر سے ہم رشتہ کر دیتی ہے۔ تخلیق کار کی اپنی ذہانت کی آمیزش سے ایک ایسی شے خلق ہو جاتی ہے جو بے مثال بھی ہوتی ہے اور لازوال بھی۔''(۷)

بیانیہ ہی وہ پیرائے اظہار ہے جو ہم عصر تاریخ اور معاشرے کے سارے دقیع و وسیع رنگ کو چھلنی کی طرح چھان چھان کر اپنے اندر سموتا جاتا ہے۔ نذیر احمد نے اپنے تخیل کو معاشرے اور اس کے مسائل سے جوڑے رکھا۔ شعوری اور لاشعوری طور پر ان کی تحریروں میں یہ زورِ بیان جاری رہا۔ نذیر احمد کے ہاں کہانی پن پر گرفت بہت مضبوط نظر آتی ہے۔ اس ناول کی کہانی دروبست میں معاشرے کی اصلاح اور مثبت رویوں کی خواہش اور تحریک نمایاں ہے۔

معروف نقاد آل احمد سرور نے لکھا ہے:

''ناول تعمیری صلاحیت، بصیرت، مسلسل دیکھنے اور سوچنے کی استعداد چاہتا ہے۔''(۸)

''بنات النعش'' بھی ''مراۃ العروس'' کا وضاحتی بیانیہ معلوم ہوتا ہے۔ چند زمینی حقائق کے علاوہ کم و بیش اسی سے مماثلت رکھتا ہے۔ اسے ''مراۃ العروس'' کی موضوع کی توسیع بھی کہا جاسکتا ہے۔ بیانیے کے اظہاری پہلوؤں میں واحد غائب صیغے کو عمل میں لایا گیا ہے۔

اس ناول میں ایسے کردار کی کہانی کو کمال خوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ جو امارت کے طنطنے اور غرور کی وجہ سے بد اخلاق تہذیب سے بے بہرہ ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت کے لیے اصغری بیگم کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کی محنتِ شاقہ اِسے باوقار اور سگھڑ کردار کے سانچے میں ڈھالتی ہے اور تعلیم و تربیت کی ضرورت و اہمیت پر بزورِ قلم زیادہ توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ کسی بھی معاشرے کی کامیابی اور فلاح کا دروازہ تربیت یافتہ ماں کی گود کا گہوارہ ہے۔ نپولین بھی اسی نعرے کا مقلد ہے:

"You give me a good mother and I give you a good nation."

اور اسلامی افکار کی مکمل پاسداری کہ علم ہر مسلمان مرد اور عورت کا بنیادی حق ہے۔ انیسویں صدی میں مذہبی، علمی، سماجی رویوں پر خاصی تفصیل ملتی ہے۔ اس ناول میں کہانی کی پختگی کی بجائے مکتب کی تفصیلات میں صفحات کے صفحات لکھے گئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود حسنِ عمل، مثبت، ذہن سازی اور ذہنی عروج کی فضا نمایاں ہے۔ ہندوستانی مزاج، مسلم طرزِ معاشرت کا بیان بھی خوب کیا گیا ہے۔ مکالمہ نگاری اس ناول میں جاندار پہلو ہے۔

''حسن آرا بے چاری بھی اسی کوفت میں مبتلا تھی۔ کوئی خرابی نہ تھی جو اس کے مزاج میں نہ ہو اور کوئی بگاڑ نہ تھا کہ اس کی عادتوں میں نہ ہو۔ بدمزاجی، بدزبانی، خود پسندی، بے باکی، جنگ جوئی، حسد، دروغ گوئی، بدلحاظی، تنگ چشمی، لالچ، بے صبری، سستی، بے ہنری، بد سلیقگی۔''(۹)

نذیر احمد کے دیگر ناولوں کی طرح ''توبۃ النصوح'' بھی مقصدی اور اصلاح پہلوؤں کو اُجاگر کرتا نظر آتا ہے۔ نذیر احمد کے ہاں بیانیہ کا اظہار بہت مضبوط نظر آتا ہے اور یہ ناول بھی صیغہ غائب کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ اس ناول میں بھی مضبوط مکالمہ نگاری کی روایت ملتی ہے کہ

اولاد کی پرورش کے لیے دین و دنیا کے رشتے میں فرد، مذہب اور سماج ایک مثلث کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ناول میں بھی پُرانی کہانی کا تانا بانا نظر آتا ہے۔

شفیق الرحمٰن لکھتے ہیں:

"فرد کو مذہب اور سماج کی تابع داری میں دکھانا اور فرد کی انفرادی حیثیت کو زائل کرنا ہی نذیر احمد کا مقصد نظر آتا ہے۔ یہ ناول فنی لحاظ سے اہم ہے۔ اس زمانے میں اخلاقی اور مذہبی قدروں کی جڑیں معاشرے میں کافی مضبوطی سے پیوست تھیں مگر مولوی نذیر نے ان اقدار کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے۔"(۱۰)

اس ناول میں نذیر احمد کی فنی صلاحیت کھل کر سامنے نظر آتی ہے۔ "مراۃ العروس"، "بنات النعش" جیسی کیفیت اس ناول میں مفقود ہے اور طویل پند و نصائح سے زیادہ کرداروں کی زندگی سے محبت، زندگی کی تڑپ اور فنی محاسن کے حسن اور پلاٹ میں خاص ترتیب کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ توبۃ النصوح میں اولاد کی تعلیم و تربیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ نذیر احمد نے اپنے ناولوں کے ذریعے عصری تاریخ کے منضبط رنگوں کو محفوظ کرنے کی کوشش کی اور سماجی رنگ و روپ کے نکھار کو متن میں محفوظ کیا ہے۔ بظاہر اس ناول کا بیانیہ بہت سادہ ہے کہ نصوح کی بیماری کی وجہ سے اِس کی ذہنی کیفیت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ دنیاوی چیزوں اور علم کو ثانوی قرار دیتا ہے اور صحت یاب ہونے کے بعد اپنی اولاد کی ترتیب اسلامی اصولوں کے مطابق کرنے کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ مگر اس کی بے جا سخت روش اور نکتہ چینی کی وجہ سے بچے بے زار نظر آتے ہیں۔ کلیم تو اس حد تک متنفر نظر آتا ہے کہ وہ گھر چھوڑنے پر آمادہ نظر آتا ہے۔ بڑا مکالماتی انداز پیش کیا ہے جو نصوح اور اس کے بیٹے کے درمیان زندگی کی بے ثباتی کے متعلق بیان کیا ہے اور اس کے ضمیر کی خلش جاگ اٹھتی ہے اور اپنی اولاد کی ترتیب کے لیے دن رات پریشان رہتا ہے۔ پورے ناول میں مکالمہ کی تکنیک استعمال ہوئی ہے اور زیادہ تر خود احتسابی فضا نمایاں ہے اور نصوح کو لگتا ہے کہ اِسے دنیا میں عطا کی گئی راحت کے متعلق سخت جواب دہ ہونا پڑے گا۔

"دنیا میں جو کچھ رفاہ، جو کچھ عیش و آرام ہم نے تجھ کو بے استحقاق صرف اپنی مہربانی سے عطا کیا تھا تو اس کو ہمیشہ اپنی حسنِ تدبیر کی طرف منسوب نہیں۔"(۱۱)

نصوح کبھی اپنی بیوی کے سامنے ندامت کا اظہار کرتا نظر آتا ہے تو کبھی باری باری اپنے تینوں بیٹوں کو بلا کر ناصحانہ انداز اختیار کرتا ہے۔ اُسے اپنے بیٹوں کی روزمرہ زبان اور عادات و اطوار پر اعتراض ہے اور دو بیٹوں کی مذہب سے دوری اور منہ پھٹ انداز گراں گزرتا ہے اور گاہے بہ گاہے اپنی سابقہ زندگی کے گزرنے اور ضائع ہونے پر ندامت کا اظہار کرتا ہے۔ کبھی خود کلامی کرتا نظر آتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ عدالت سجی ہوئی ہے اور اِسے کٹہرے میں کھڑا کیا اور اللہ کی طرف سے اس پر عنایت کی گئی نعمتوں اور انعامات کا حساب کتاب ہو رہا ہے۔ جب وہ اس کیفیت سے باہر آتا ہے تو اِسے احساس ہوتا ہے کہ اس کو بخش دی گئی زندگی امانت ہے کہ اِسے مثبت بنیادوں پر گزارنا چاہیے۔ وہ اس سفر میں اپنی اولاد اور بیوی کو بھی شامل کرنا چاہتا ہے اور اِن کی ذہن سازی اور رویہ جاتی عناصر کے خلاف مزاحمتی بیانیہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

"میں نے اپنی زندگی خرابی، رسوائی، فضیحت اور والدین کی نارضامندی اور خدا کی نافرمانی میں کاٹی اور ایسی ایسی ہزاروں، لاکھوں زندگیاں ہوں تو بھی اس نقصان کی تلافی کی اُمید نہیں۔"(۱۲)

خود اکتسابی کا عمل اس قدر نصوح پر حاوی ہوتا ہے کہ لڑکوں کے طور و اطوار اور سرگرمیوں پر نظر رکھنے کی کوششیں شروع کر دیتا ہے کہ ان کی صحبت کیسی ہے۔ زیرِ مطالعہ کیسی کتب ہیں۔ وہ خود لڑکوں کے پورشن میں جا کر چیک کرنے کی کوشش کرتا ہے جب اس کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ لڑکوں نے "خلوت خانہ" اور "تکلف خانہ" بنا رکھا ہے تو خود جا کر جائزہ لیتا ہے اور اِن کمروں کی آرائش و زیبائش کو دیکھ کر اس فضول خرچی پر غصے کا اظہار کرتا ہے کہ کیسے کیسے دولت کو ضائع کر رکھا ہے۔ جابجا سفید چاندیاں اور بے داغ چادریں بچھا رکھی ہیں۔ گاؤ تکیے

اور کرسٹل کی بلوری رنگ کی ہانڈیاں سجائی گئیں تھیں۔ چھت پر پنکھے کی بجائے کہکشاں لگائی گئیں ہیں۔ نصوح اس بے ضرر نمائش کو بھی پیسے کا ضیاع کہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ فضول اور شاہ چرخیوں کی مد میں خرچ ہونے والی رقم کو کسی اچھے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ وہ علم و ادب اور فطرت سے لگاؤ کو ذہنی پس ماندگی اور انسانی بغاوت قرار دیتا ہے۔ یہ خیال اس کے دل میں راسخ ہو چکا ہے کہ تمام معاشرتی بُرائیاں اس کی اولاد میں اتم بدرجہ موجود ہیں۔

''نصوح عشرت منزل اور خلوت خانہ کا نام سن کر چوگنا ہوا اور اس نے نوکروں سے کہا، پہلے عشرت منزل کو کھولو۔۔۔ نصوح اس ساز و سامان کو تھوڑی ایک سکتے کے عالم میں کھڑا دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ایک آہ کھینچ کر بولا کہ افسوس! کتنی دولت خداداد اس بے ہودہ نمائش اور تکلف آرائش میں ضائع کی گئی ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ روپیہ کو محتاجوں کی امداد اور غریبوں کی بھلائی میں صرف کیا جاتا ہے۔''(۱۳)

نصوح اس کمرے میں گلدان، عطردان اور کھیل کے متعلق، گنجفہ، شطرنج، چوسر، ارگن باجے اور تاش وغیرہ دیکھ کر آگ بگولہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں تان سین، خان گویا، حیدر علی قوال، ملکھو پکھاوجی، میر ناصر احمد بین نواز، صمد خاں پہلوان جیسے لوگوں کی تصاویر موجود تھیں۔ یہ سب پہلو اور مضامینِ طلبِ دنیا ہیں اور دین کے خلاف جاتے ہیں۔ ان چیزوں کی توڑ پھوڑ شروع کر دی۔ خلوت خانے کے حالات بھی کم و بیش ایسے ہی تھے۔ دو تین الماریاں کتب سے بھری پڑی تھیں کہ انسان اِن کی فہرست مرتب کرتا رہ جائے۔ عربی و فارسی اور اردو کا بیش بہا انمول خزانہ، کلاسیکی ادب، شعراء کے دواوین تھے۔

''نصوح ان کتابوں کی جلد کی عمدگی، خط کی پاکیزگی، کاغذ کی صفائی، عبارت کی خوبی، طرزِ ادا کی برجستگی پر نظر کرتا تھا تو کلیم کا کتاب خانہ اس کو ذخیرہ بے بہا معلوم ہوتا تھا۔''(۱۴)

آخر کار نصوح اس بات پر متفق ہوا کہ ان کو جلا دینا بہتر ہے۔ کتابوں کی الماریوں کو لکڑی کنڈے کی طرح اوپر تلے رکھ کر آگ لگا دی۔ جن میں فسانہ عجائب، آرائشِ محفل، گل بکاؤلی، مضحکات نعمت خاں علی، مثنوی میر حسن، منتخب غزلیات چرکیں، جعفر زٹلی، دریائے لطافت، میر انشاء اللہ خان، قصائد، ہجویہ مرزا رفیع سودا، کلیاتِ رند، دیوانِ جان، بہارِ دانش، اندر سبھا جیسی نایاب اور قیمتی کتب تھیں۔

نذیر احمد یہ اخلاقی نقطۂ نظر قصہ کی حد تک نہیں ہے۔ ادب عالیہ کی طرف ان کے رویے کا اندازہ ''توبۃ النصوح'' سے بخوبی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ گلستان سعدی کے لیے بھی قابلِ مذمت اور بے ہودگی جیسے الفاظ توبۃ النصوح میں پیش کیے گئے۔ اس نفسیاتی تلازمے میں ہمیں عصبیت پسندی اور منافرت کی پوری دنیا موجزن نظر کی ہے۔ گلستانِ سعدی کے متعلق نصوح کے خیالات کچھ یوں ہیں:

''بڑی مشکل یہ تھی کہ میں ان واہیات اور فحش باتوں کو تمہارے روبرو بیان نہیں کر سکتا تھا پھر یہ اس کتاب کا حال ہے، جو پند و اخلاق میں اور تصنیف بھی ایسے بزرگ کی ہے کہ کوئی مسلمان ایسا کمتر نکلے گا ان کا شمار اولیاء اللہ میں ہے۔''(۱۵)

نصوح ہمیشہ فکر سے یہ بات بتاتا کہ جلائی جانے والی کتب گالی، پھکڑ، ہزلیات، ہذیان، خرافات اور بکواس تھیں ان کا جلایا جانا ہی بہتر تھا۔

ایسی نفسیاتی کشمکش اس پورے ناول کے ماجرے میں بکھری پڑی ہے۔ محکومی کے دور میں غیر استحکامی حالات میں ذی ہوش انسان کیونکر مطمئن اور خوش رہ سکتا ہے۔ تخت و تاج کا شیرازہ جب بکھرتا ہے تو اس کا اثر نسلوں تک جاتا ہے۔ ذہنی بے سکونی اور بے اطمینانی کی فضا ایسی پھیلی جس نے انسانی ذہن کو یرغمال بنالیا۔ تخلیق نگار کی ذہنی فضا اور سوچ تحریر کی شکل میں عیاں ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے ''مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد'' میں ان کے ناولوں کے متعلق بہت سارے اعتراضات اٹھائے ہیں۔ سارے ناولوں میں مکالمات خاصے طویل بیان کیے گئے ہیں۔ مگر اس سے نذیر احمد کا ادبی رویے کی تفہیمی شکل بھی سامنے آتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

''مصنّفین کرداروں کے ذریعے سے اپنے خیالات و تصورات کے پرچار سے چوکتے ہیں۔۔۔ مصنف کہانی کی حدود میں رہتے ہوئے کسی ایک کردار کو اپنے خیالات کا ترجمان بنالیتا ہے۔۔۔ ایسا شعوری طور پر بھی ہو سکتا ہے اور غیر شعوری طور پر بھی۔۔۔ بسا اوقات مصنف کردار سے اپنی تطبیق کر لیتا ہے اور یوں اس کے دکھ درد، خوشی غم، نفرت محبت کو خود بھی ''بالواسطہ'' طور پر محسوس کرتا ہے اور اس سے نفسی خط حاصل کرتا ہے۔''(۱۶)

نفسیاتی الجھنیں اور کشمکش اس ناول میں شروع سے لے کر آخر تک وجودی شکل اختیار کرتی نظر آتی ہیں۔ مصنف کرداروں کے ذریعے جو مکالمے ادا کرتا ہے جن خیالات، جذبات اور احساسات کا ترجمان دکھائی دیتا ہے۔ وہ ایسا ردِ عمل ہے جو کہانی کو ترتیب دیتے ہوئے تخلیق کار کے ذہنی اُفق پر انسانی رویوں، سماجی وقار اور انتشار سے بنتا ہے۔ اس کا قوی اظہار کرداروں کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس کی مثال شطرنج کی بساط جیسی ہے۔ تخلیق کار بھی کہانی کی بساط پر مہریں اپنی مرضی اور تخلیقی اُپج سے چلتا ہے۔ نذیر احمد کے خطبات کے اثرات ان کے ناولوں میں بھی در آئے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے گہری طنز کی ہے:

''نذیر احمد کے سامنے مخرب اخلاق کتابوں کے زہر کا تریاق اور منتر کا توڑ اپنے ناولوں کی صورت میں پیش کیا مگر تمام تر قومی جوش، جذبہ اصلاح اور نیک نیتی کے باوجود وہ تخلیقِ ادب کا یہ بنیادی اصل فراموش کر گئے کہ مقصد آٹے میں نمک کے برابر ہو تو حسنِ تخلیق کا باعث لیکن نمک میں آٹا کسی کو نہ بھائے۔''(۱۷)

مگر اس ناول میں بھی تمثیلی انداز اکثر جگہوں پر بہت زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ نصوح حالتِ رویائے میں دیکھتا ہے کہ انسان کو اپنے ہر عمل کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ روح انسان کے پاس امانت ہے۔ دنیا میں ہر حال میں اس کی حفاظت پر مامور ہیں کہ کیسے روح کو روشن اور پاک چیز بنایا اور ہمارے جسدِ خاکی جو نجس و ناپاک مٹی سے تعمیر ہوا ہے۔ دُنیا کے جھمیلوں سے دور رہو۔ دنیا میں حیثیت سرائے مسافر کی سی ہے۔ پند و نصیحت ہر جگہ، ہر تحریر میں نذیر احمد کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ معاشرتی گھٹن اور کھوکھلے پن کو کرداروں کی شکل میں پیش کرنے پر نذیر احمد کو ملکہ حاصل ہے۔

اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

''نعیمہ اور کلیم محض افسانوی کردار نہیں ہیں بلکہ معاشرے کے علائم ہیں جو تباہی کے دھانے پر کھڑا ہے۔''(۱۸)

نصوح ایسے آدرشی خیالات کرنے والا نمائندہ اور ترجمان نظر آتا ہے جو اپنے نفسیاتی کرب اور لرزہ خیز اور روح کشائی جیسی روحانی واردات کے بعد اپنے گھر کو نمائندہ اور نمونہ بنانے اور طرزِ زندگی کی تبدیلی کا خواہاں نظر آتا ہے۔ وہ مجموعی معاشرتی رویے، انسانی غفلت اور وجودی انتشار کو مذہبی نظم سے سنوارنے کا خواہاں نظر آتا ہے۔ اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں کہ تحریر میں مذہب کی حیثیت کو ایک جامے کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے برت کر ہی اس سے اثبات حاصل کیا جاتا ہے۔ اس نقطۂ نظر نے مذہبی روایات کو ثقالت اور بوجھ بنا دیا ہے۔ اس کی روح کا مطہرین، نفاست و لطافت کا گلہ گھونٹ دیا گیا ہے اور تمام قدریں فریب کُن اور بناوٹی دکھائی دیتی ہیں اور آنے والی نسل اس سے باغی ہو جاتی ہے۔ توبۃ النصوح کا انجام اس کی عمدہ مثال ہے۔ پھر فعال محرک اور نظام اقدار کی حیثیت ایک ٹوٹے ٹوٹکے کی سی رہ جاتی ہے۔ مذہب کی اصل روح اور اہمیت کا شعور اور مقصد یکسر ناپید ہو کر رہ جاتا ہے۔ ''توبۃ النصوح'' ایسے ہی بیانیے کی عمدہ مثال ہے جس میں ذہنی اور معاشرتی تصادم اور رویہ جاتی منافرت کا عروج پیش کیا گیا ہے۔

نذیر احمد کی فنی تمثیل نگاری کے متعلق ڈاکٹر احسن فاروقی لکھتے ہیں:

"مولوی نذیر احمد کی وہ تصانیف جن کو ناولیں کہا جاتا ہے دراصل تمثیلی فسانے ہیں۔ یوں تو ان کی تمام کتابوں کا مقصد مسلمانوں کے معاشرے کو درست اور مفید راہ پر لگانا ہے۔ معاشرتی مسائل کو دلچسپ فرض قصوں کے ذریعے اس طرح پیش کیا گیا ہے جیسے کسی کڑوی دوا کو حلق کے نیچے اُتارنے کے لیے اس پر شکر لپیٹ دی جائے۔"(۱۹)

ڈاکٹر محمد صادق کا خیال ہے کہ انگریزی ناول "The family instructor" میں حسن اصلاحِ خاندان کی کوشش کو پیش کیا گیا ہے۔ نذیر احمد کے ناول توبۃ النصوح کے بیانیے پر وہی گمان گزرتا ہے۔ بس ماحول اور فضا میں مشرقی معاشرت کا عکس نمائندہ نظر آتا ہے۔ فنی محاسن بھی قدرے بہتر ہیں۔ وہ گرد و پیش کے ماحولیاتی منظر نامے، ذاتی تجربات و احساسات کی کُلی شکل پیش کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ یہ ناول فنی شعور کا عکاس اور بیانیے کی تشکیلی وجود کا نمائندہ نظر آتا ہے۔ جزئیات نگاری اور منظر کشی کی بہترین مثالیں اس ناول میں موجود ہیں۔

نذیر احمد نے بالواسطہ طور پر اپنے ناولوں سے ایک اور کام لینے کی کوشش کی ہے۔ اصطلاحی بیانیے کی مدد سے مسلمانوں میں غدر کے نتیجے میں پائی جانے والی احساسِ کمتری کو دور کرنا اور شعوری طور پر موجودہ صورتِ حال سے مفاہمت کی فضا ترتیب دینا تھا۔

"ابن الوقت" میں ان تمام حالات کو بڑی خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ ابن الوقت میں دو تہذیبوں کے تصادم کی تصویر کشی کرداروں کے ذریعے جاندار طریقے سے پیش کی گئی ہے۔ تخلیق کار کا ذہن اس پرندے کی مانند محوِ پرواز رہتا ہے کہ جب تک اس کے پروں کی سکت باقی ہے وہ پرواز کو جاری و ساری رکھے گا۔ تخلیق نگار بھی تخیل کو مشاہدے کی بصارت اور زندگی کی بصیرت سے جوڑتا ہے اور تلخ حقائق کی تمازت اور کرب کو تخیل کی چاشنی میں ڈبو کر پیش کرتا ہے۔ ناول ایسی ہی تحریر کا فنی زاویہ ہے جو شعورِ زیست کو شعارِ زیست بنانے کے لیے کرداروں کی مدد سے انسانی سوچ کی ایسی لینڈ اسکیپنگ کرتا ہے جو وقوعات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ انسان کا سماج سے تعلق اور اثر آفرینی کو بخوبی بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں۔ کردار مناظر اور مکالمات کی مدد سے ایسا گیسٹالٹ بناتے ہیں جو قاری میں ترفع پیدا کرنے اور شعور عطا کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ مضبوط اور مستحکم بیانیے کی احسن مثال اس سے بڑھ کر کوئی اور نہیں ہے۔

"ابن الوقت" میں زندگی کے تلخ تجربات سماجی، سیاسی شعور اور تہذیبی تفاوت کا عکس اور رس پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نئی تہذیب اور انگریزی تسلط کے نتیجے میں معاشرے کی بگڑتی ہوئی اقدار کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس ناول میں ان کی حیثیت ایک مورخ کی سی بھی نظر آتی ہے۔ بیانیاتی اُپج کی اونچی مسند پر براجمان نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف سرمست لکھتے ہیں:

"مختلف مسائل، انگریزی اقتدار، معاشی حالات، مغربی تمدن کی تقلید، انگریزی حکومت کے روشن پہلوؤں کو بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا۔ ان مسائل کے بیان کرنے اور ان سے بحث کرنے سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ نذیر احمد ناول کے فن کی لچک اور وسعت کا غیر شعوری طور پر سہی احساس ضرور رکھتے ہیں۔"(۲۰)

"ابن الوقت" ناول کی ہیئت کی جامد مثال ہے۔ ابن الوقت میں کردار نفسیاتی کشمکش نمایاں ہے۔ ابن الوقت ایک ایسے انسان کا بیانیہ ہے جو موجودہ صورتِ حال سے مفاہمت کی راہ اختیار کرتے ہوئے پُرانی تہذیب کی گود سے اٹھ کر نئی تہذیب کی انگلی پکڑنے کی کوشش کرتے کرتے سرپٹ بھاگنے کے لیے تیار نظر آتا ہے۔ مگر اسی کے ذہنی کرب کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ وہ معاشرتی اور مغربی تہذیب کی کشمکش میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہے۔ کبھی مشرقیت حاوی تو کبھی مغربیت شاہ سوار بن جاتی ہے۔ "ابن الوقت" کے ذہنی پس منظر میں نذیر احمد کا ادبی شعور پختگی حاصل کر چکا تھا۔ نذیر احمد کی خامی بھی اور خوبی بھی کہ وہ مقصدیت کے سارے عمر داعی رہے ہیں۔ ان کے ہاں مقصد ہمیشہ غالب رہا۔ کرداروں کی مدد

سے زندگی کی گرمی اور محسوسات کو تخلیق کی جدت اور نفسیاتی شعور کی مدد سے ترتیب دیتے ہیں۔ اس ناول میں سیاسی و اقتصادی تاریخ کو رقم کر کے مقصدی بیانیے کی چھاپ نظر آتی ہے۔

''ابن الوقت'' ایسے شخص کی داستان ہے جس کا تعلق قدیم تہذیب سے ہے۔ مگر جدید تعلیم کے زیرِ اثر وہ جدید تہذیب کی اثر پذیری اختیار کرتا ہے مگر ذہنی تفاوت اور پرائی تہذیب سے نامناسبت سے تنگ آ کر وہ پُرانی روش پر واپس آ جاتا ہے۔ یہ ناول اپنے تخلیق کے زمانے سے مکمل طور پر ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ ناول میں وسیع کینوس بھی موجود ہے جو رجحانات کو پلیٹ فارم عطا کر رہا ہے۔ ابن الوقت پہلی دفعہ نذیر احمد کے ہاں متحرک اور جاندار کردار کی شکل میں سامنے آیا جس میں اُمنگ، اُمید اور زندگی کی تازگی موجود ہے اور مسرت کی خواہش جنم لیتی دکھائی دیتی ہے۔ غدر کے بعد مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کے خلاف نفرت پائی جاتی تھی۔ عربی اور فارسی کے استاد انگریزی پڑھنے والے بچوں کو نجس اور ناپاک تصور کرتے اور ایسے گھرانوں سے بائیکاٹ کیا جاتا یہاں انگریزی تعلیم کی طرف رجحان تھا۔

''انگریزی کا پڑھنا ہمارے بھائی بندوں کے ساتھ ایسا ناسزاوار ہوا جیسا آدم اور اس کی نسل کے حق میں گیہوں کو کھالینا۔''(۲۱)

اگر کبھی کوئی انگریز افسر مدرسے میں معائنے کے لیے آتا اور اساتذہ سے مصافحہ کیا جاتا تو آفیسر کے جانے کے بعد صابن کے ساتھ تو کبھی مٹی کے ساتھ رگڑ رگڑ ہاتھ کو دھویا جاتا۔ اسی طرح انگریزی پڑھنے والے بچوں کو فارسی اور عربی پڑھنے والوں سے دور رکھا جاتا ہے۔ نہ کھیل کود اکٹھی تھی اور نہ ایک جگہ کھانا پینا ہوتا تھا۔ اس ناول میں انگریزی تہذیب و ثقافت کی تقلید کو جس طرح پیش کیا گیا ہے وہ تخیل کی کارفرمائی نہیں ہے۔ بلکہ اس ناول کا بیانیہ حقیقی ماحول سے اخذ کیا گیا ہے۔ نذیر احمد سرسید احمد کے ساتھ تھے۔ سرسید جدیدیت کے علمبردار رہے مگر نذیر احمد معاشرت اور تہذیب کے حوالے سے سرسید سے اختلاف رکھتے تھے۔ شاید تحلیلِ نفسی کی شکل کو نذیر احمد خود پر طاری کرتے ہوئے ابنِ وقت کا کردار تخلیق کیا ہے۔ ''ابنِ وقت'' میں بیانیہ بر معنی حاوی موضوع کی عمدہ اور جاندار کوشش نظر آتے ہے۔

نذیر احمد نے اپنے مخصوص اصلاحی بیانیے کی مدد سے اپنے ناولوں کے ذریعے مسلمانوں کو احساسِ کمتری سے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو ''غدر'' کے حالات نے ان پر مسلط کی تھی۔ لمبی لمبی بحثوں، تحریروں، خطوں کو متن میں مکالماتی انداز سے سمویا ہے۔ احادیث اور قرآن سے استدلال پیش کیا ہے۔ ذہنی احساسِ کمتری کو کم کرنے کے لیے دین کی عظمت، اسلامی تاریخ و تمدن، علوم و فنون میں ترقی اور ہندو مت پر اسلام کی برتری ثابت کرنے کی بھرپور کوشش نظر آتی ہے۔ لامحالہ طور پر مسلمانوں میں رواج پا جانے والی غلط روایات کے اثرات دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن الوقت میں مسائل الٰہیات، قیامت خدا کا تصور، مذہب، تقدیر، تدبیر اور کسی طرح کے مابعد الطبیعیاتی عناصر کے متعلق بحث اٹھائی ہے۔

ابن الوقت اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتا ہے:

''آپ نے لاعلمی کا نام خدا رکھ چھوڑا ہے۔ دریافت سبب سے عاجز آ گئے، خدا ماننے لگے۔۔۔ یا۔۔۔ اجی حضرت! بھولے بھالے زمانے گئے کہ لوگ جلدی سے مذہبی ڈھکوسلوں پر یقین کر لیتے ہیں۔۔۔ یا پھر۔۔۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ہر شخص تقلیدی مذہب رکھتا ہے۔ ایک مسلمان اس لیے مسلمان ہے کہ وہ اتفاق سے ایک مسلمان کے گھر پیدا ہو گیا۔۔۔ یا پھر۔۔۔ مجھے دین فی حد درجہ مصیبت کا پہاڑ دکھائی دیتا ہے۔''(۲۲)

پورے ناول میں بعض مقامات پر تخلیقی بیانیے کی بجائے بحث و مباحث اور طنزیہ داخلی اظہار رائے کی کیفیت نمایاں ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ مذہبی شعار عملی ہونے کی بجائے علامتی اور شناختی لیبل بن کر رہ گئے ہیں۔

''''ابن الوقت'' خاص صفت کا دلچسپ مجسمہ ہے جو مولانا کے زمانے میں نمایاں ہو رہی تھی اور جو ان لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ جو بدلتے ہوئے زمانے کا ساتھ دینے کے لیے اپنے خیالات اور معاشرت بدل رہے تھے۔ ابنِ وقت میں ایک خاص صفت ہے جو جمہوری حکومت میں کامیابی حاصل کرنے والوں میں ہونا ضروری ہے۔''(۲۳)

ابن الوقت میں مذہبی تہذیبی رجحانات کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ نذیر احمد نے اجرامِ فلکی۔۔۔ مچھلیوں، تتلیوں، مچھروں اور دوسرے جانوروں کے متعلق بھی سیر حاصل بحث کی تھی اور کافی پر مغز معلومات پیش کی ہیں۔ پانی کے اجزا اور آنکھ کی قدرتی ساخت کو سائنسی انداز سے بیان کیا ہے اور حفظانِ صحت کے متعلق کافی معلومات پیش کی ہیں۔ کامیاب اور مستحکم بیانیہ کی قوی شکل ابنِ وقت کی شکل میں موجود ہے۔ زبان وبیان کے معاملے میں فارسی و عربی کے ثقیل الفاظ، تشبیہات، استعارات اور مصطلحات کے استعمال کرنے کی وجہ سے عبارت کا حسن اردلکشی متاثر ہوتی ہے اور جگہ جگہ قاری کے لیے تفہیم کا پہلو بدلتا رہتا ہے۔

نذیر احمد کے ہاں مکالمہ کی روایت بہت مضبوط ہے۔ وہ دلی کی لوچدار زبان اور روزمرہ سے پورا پورا لطف لیتے ہیں۔ نذیر احمد کا مشاہداتی انداز ان کی تحریر کی بڑی خوبی ہے۔ انہوں نے گہری بصیرت سے حالات کا تجزیہ کیا اور استخراجی طریقہ اپناتے ہوئے نتائج کو سائنسی بنیادوں پر استوار کرتے ہوئے کرداروں کے ذریعے وضاحت پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ پیش گوئی اور مستقبل کی فکر آفرینی کو نذیر احمد نے ابن الوقت کی زبان سے بیان کیا ہے کہ وہ وقت آنے والا ہے جب ملکی خدمت کے لیے انگریزوں کی تخصیص کرنا مشکل ہو گا۔ وائسرائے کی نسل اور ہندوستانی نسل برابر ہوں گے اور قانون سازی میں بھی ہندوستانی برابر کے شریک ہوں گے۔ غرض انتظام سلطنت میں ہندوستانی ایسے ہی دخیل ہوں گے جیسے انگلستان میں ان کی رعایا شامل ہے۔ عصری اور مفاہمتی بیانیے کے ذریعے ذہن سازی کی بھرپور کوشش نظر آتی ہے۔

نذیر احمد نے مستقبل کے بارے میں جس خیال کو پیش کیا وہ ۱۹۴۷ء تک آتے آتے ہو بہو اسی تصویر کو پیش کرنے لگا۔ نذیر احمد کے تمام ناولوں میں سے ابن الوقت کا کردار بہت جاندار کردار ہے۔ نذیر احمد نے اپنی پوری شخصیت کا عکس ابن الوقت کی صورت میں دکھانے کی کوشش کی اور بڑی کامیابی سے اِس کو بیانِ اضافت پر کمال حاصل ہے۔ ابن الوقت ہوشیار اور قابل طالب علم تھا۔ تمغہ انگریزی، فارسی، عربی، سنسکرت لمبے عرصے تک ہر سال اِسے ہی ملتا تھا۔ تعطیلات میں کھنڈروں کی کھوج کو جاتا غیر ملکیوں سے ان کے ملکی حالات اور عادات واطوار کی تفتیش کرنا اس کا من پسند مشغلہ تھا۔ اخبار "Friend of India" نے اسے مسلمانوں کا "ریفارمر" لکھا ہے۔ ابن الوقت کی شکل میں نذیر احمد نے اسے ریڈیکل کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو مذہب، معاشرت اور حیات کو عقل کو کسوٹی پر پرکھنے پر یقین رکھتا ہے۔ ابن الوقت کی مدد سے کرداری بیانیے کی آبیاری خوب کی گئی ہے۔ عصری تقاضوں اور سیاسی عمل داری کی نسبت سے ایک رول ماڈل ابن الوقت کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ بین المذاہب تقلیدی رویوں کی بجائے آفاقی، عالمگیری اور راستی بیانیے کی مدد سے انسانی رویوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ تشکیک ہر اس انسان میں موجود ہوتی ہے جو دماغ کے استعمال پر یقین رکھتا ہے۔ ذہانت کسی بھی چیز کی اندھی تقلید سے روکتی ہے۔ وہ عقلیت کی کسوٹی پر پرکھنے کو ترجیح دیتی ہے۔ ابن الوقت ذہنی کشمکش اور بے چین فطرت رکھتا ہے۔ ہندو جوگیوں، سنیاسیوں اور سادھوؤں کے ساتھ وقت گزارتا ہے، اور کبھی پادریوں کی طرف مراجعت رکھتا ہے۔

یہ اندرونی کشمکش ابن الوقت کے تحت الشعور میں رواں دواں ہے۔ ابن الوقت کے مغرب زدہ ہونے کو انگریز پسند نہیں کرتے اور وہ ہمیشہ اِسے نظر انداز کرتے اور کم تر سمجھتے تھے۔ یہ تہذیبی تفاوت اِسے اپنی تذلیل محسوس ہوتی ہے۔ شاید اسے نذیر احمد کی آپ بیتی سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایک عرصے تک نذیر احمد کی وضع قطع انگریزی رہی اِس تہذیب سے متاثر رہے اور اب ان کے اس روپے پر مزید تحقیق کی جارہی ہے کہ وہ ایک زمانے میں عیسائیت اختیار کر چکے تھے اور پھر دوبارہ مذہب اسلام کی طرف آئے۔ ڈاکٹر خالد اشرف اس پہلو پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ ہو بہو وہی سارے احوال ابن الوقت کے شکل میں بیان کیے ہیں۔ ان کے ناولوں کی کمال خوبی یہ ہے کہ ان کی گرفت قصہ

پر انتہائی مضبوط ہے۔ معاشرتی مسائل پر بحثوں اور وعظوں سے قطع نظر اِن کے ناولوں کی کہانی کے قصوں میں ایسا دلچسپ تسلسل ملتا ہے قاری کی توجہ کو تسخیر کرنے کی قوت ایسی کہ انہیں ختم کیے بغیر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ یہ خوبی "توبۃ النصوح" اور "ابن الوقت" دونوں میں نمایاں ہے۔ حالانکہ دونوں ناولوں کا تھیم سادہ سا ہے کہ توبۃ النصوح میں ایک شخص بیمار پڑنے پر اسے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ دُنیا عارضی ہے جلد ختم ہو جانے والی ہے اور مذہب ایسی شارح ہے جس پر چلنے سے کامیابی و کامرانی عطا ہوتی ہے۔ والدین کا اوّلین فرض ہے کہ اولاد کی اصلاح و تربیت انہی اصولوں پر کرے۔

"ابن الوقت" کا تھیم کہ موجودہ حکومت کی طرزِ معاشرت سے ایک نوجوان کس طرح متاثر ہوا ہے۔ وہی وضع اختیار کرتا ہے اور اپنی ذہانت سے ایک اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے۔ مگر مغربی تہذیب میں اس کی حیثیت ایک دیسی بھیڑ جیسی رہتی ہے اور اس اجنبی پن اور ذہنی کشمکش کو کبھی خود سے دور نہیں کر سکتا ہے۔ ہمیشہ تشکیک کا شکار رہا، اِسے اسلام، ہندومت، عیسائیت اور یہودیت تمام مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد دلی اور روحانی سکون عطا نہیں ہوتا۔ آخر کار وہ اپنی پُرانی وضع اور روش پر واپس آجاتا ہے۔ یہ کہانیاں چند سطروں میں بھی بیان کی جاسکتی تھیں مگر یہ نذیر احمد کا کمال ہے کہ کئی سو صفحات پر کو ایسے بیانیے فنی لوازمات سے سجایا کہ اردو ادب میں اس سے بڑھ کر کوئی بیانیاتی انداز نہیں ملتا۔ وہ ایک تخلیق کار ہونے کے ساتھ ساتھ ماہرِ نباض بھی تھے جو اپنی قوم کی خامیوں اور بیماریوں سے بخوبی واقف تھے اور اپنی سی کوشش سے وہ علاج کرنے میں کامیاب بھی ٹھہرتے ہیں۔

"فسانۂ مبتلا"، "رویائے صادقہ" اور "ایامیٰ" ان ناولوں میں "فسانۂ مبتلا" میں بیانیہ تکنیک صیغہ غائب استعمال کی گئی ہے۔ اس ناول میں ایک سے زائد شادیوں کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ اس عمل سے کیسے انسان کا ذہنی سکون متاثر ہوتا ہے۔ "مبتلا" اس ناول کے کردار کا نام ہے۔ اس ناول میں نذیر احمد نے انسانی نفسیات سے بخوبی آگاہ کرنے کی عمدہ کوشش کی ہے۔ اکلوتا لڑکا ہونے کی وجہ سے مبتلا بہت ہی لاڈلا اور ضدی واقع ہوا۔ ایک شادی خاندان میں کی غیرت بیگم سے اور دوسری شادی طوائف "ہریالی" سے کی۔ وہ "غیرت بیگم اور ہریالی" کی سوکنانہ چپقلش سے نالاں رہتا اور ذہنی سکون برباد کر بیٹھا۔ "فسانۂ مبتلا" واقعیت اور حقیقی عکس بندی کا خوب منظر نامہ پیش کرتا ہے۔ نذیر احمد کا گھریلو زندگی کا بڑا وسیع تجربہ تھا۔ جسے انھوں نے اپنے ناولوں میں بخوبی برتا ہے۔ اکبری بیگم جیسا پھوہڑ پن غیرت بیگم میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ہریالی کچھ کفایت شعار اور سگھڑ ہوتی مگر دونوں کے باہمی اختلاف، نوکروں کی دھوکہ دہی، معاشرت کے اصول و ضوابط اور طوائفوں کے رہن سہن کو فنی انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ نذیر احمد نے اس ناول میں حقیقت نگاری کی ایسی پختہ صورت پیش کی ہے۔ فنِ کمال انتہائی عمدہ تصویر پیش کرتا ہے۔ ناول میں ایسا فطری بہاؤ ہے جو پہلی دفعہ سامنے آیا۔ اس ناول میں کردار زیادہ پُر اثر حقیقی اور فنی شعور رکھتے ہیں۔

پروفیسر قمر رئیس اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس ناول میں تمام اوصاف دوسرے ناولوں میں زیادہ روشن اور نمایاں نظر آتے ہیں۔ جن میں پلاٹ کی تازگی، توانائی اور واقعیت زندگی کے نئے حالات کی کشاکش اور قدروں کا تصادم اور سب سے اہم چیز کردار نگاری کا سلیقہ ہے۔"(۲۴)

نذیر احمد کے ہاں تغیر پذیری ہمیشہ نمایاں رہی۔ ان کا شمار ایسی شخصیات میں ہوتا ہے۔ جو ۱۸۷۵ء کے بعد متغیر سماجی صورتِ حال اور بدلتے طرزِ احساس کی پاسداری، سماجی، مذہبی، اخلاقی اور تخلیقی صلاحیت کی متنوع بیانیاتی صورت قرار دیا جاسکتا ہے۔ انگریزی راج، مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی، سست روی اور بے گانگی کے حوالے سے لکھا اور ان کے ہر ناول کے بیانیے میں اِس صورتِ حال کا مکمل اظہار ملتا ہے۔

انھوں نے ادب میں ادب برائے مقصد، ادب برائے افادہ، ادب برائے اخلاق اور اخلاص، برائے اصلاح اور معمار قوم کے بیانیاتی تصورات کو پیش کیا ہے۔

نذیر احمد نے متوسط گھرانوں کی طرزِ بود و باش کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔ دیہاتی طرزِ زندگی کو نذیر احمد نے صرف اسی ناول میں پیش کیا ہے۔ جزئیات نگاری میں نذیر احمد ہمیشہ باوا آدم کے مقام پر فائز رہیں گے۔ خانگی مسائل، عورتوں کی نفسیات اور ان کی اصلاح کی ضرورت کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ منظر نگاری کی عمدہ مثال ہے اور بیانیہ کی روایت کو اس ناول سے مزید استحکام ملا۔

''جب دونوں گھروں سے ملول ہو کر مردانے میں رہنا اختیار کیا تو اس نے یہ خصوصی تدبیر سوچی تھی، اگر ہو سکے تو معصوم اور بتول دونوں کو ورنہ اکیلے معصوم کو خالی بیٹھا ہوا پڑھاؤں اور اسی طرح اپنا جی بہلاؤں مگر معصوم پٹھے پر ہاتھ تو دھرنے نہیں دیتا تھا۔ مردانے مکان میں بے رونقی تو ہریالی کے ساتھ آچکی تھی۔ اب تھوڑے ہی دن میں خاک اڑنے لگی۔۔۔ دن کو مزدوری کرتا اور رات کو پائینتی آکر پڑا رہتا۔ دنیا کا کوئی کام یا دین کا روزہ نماز ہو تو صبح و شام کا تفرقہ اور دن رات کا امتیاز ہو مبتلا کو سب وقت یکساں تھے۔''(۲۵)

''ایامیٰ'' بیوہ خواتین کے نکاح ثانی پر لکھا گیا ناول ہے۔ جس میں بیوہ عورت کو درپیش معاشرتی مسائل کے سدباب کے لیے دوسرے نکاح کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ نذیر احمد نے بہت گہرے مشاہداتی انداز میں حقوق نسواں پر اصلاحی پہلوؤں سے بات کی ہے۔ آزادی بیگم جو اپنے خاندان کی واحد چشم و چراغ ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت کو بیان کیا گیا ہے۔ پہلے شوہر کی وفات کے بعد کس کس طرح کے حالات سے گزرتی ہے اور مبتلائے غم اور مایوسی کا شکار ہوتی ہے۔ نذیر احمد لکھتے ہیں، بیوگی ایک آفت کی طرح ہے جس میں لوگوں کی شکی کیفیت اور بُرے رویوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے کیونکہ عورت کے دل کی خواہشات اور آسودگی شادی اور اپنے شریکِ حیات سے وابستہ ہوتی ہے۔ ''آزادی'' کی شکل میں شاید نذیر احمد ہمارے معاشرے کی مروجہ روایات کے خلاف مزاحمتی بیانیے کی مدد سے بغاوتِ علم بلند کرنے کی ٹھان رہے تھے۔ ''آزادی'' کا نام شاید اس لیے رکھا کہ انیسویں صدی کے متوسط طبقے میں جن حالات سے خواتین کو دوچار ہونا پڑتا تھا۔ بہت زیادہ سخت پردے اور بیرونی دنیا سے لاتعلقی کے خلاف آزاد روش کو فروغ دینے کی طرف ایک احسن قدم معلوم ہوتا ہے۔ آزادی کا بیماری کے دنوں میں انگریز ڈاکٹر مری سے مانوس ہونا اور بعد کی زندگی میں اس کی صحبت سے اثر پذیر مفاہمی فضار دِ تشکیل بیانیے کی عمدہ مثال ہے۔ نذیر احمد نے خود مدرسے کی زندگی کو قریب سے دیکھا۔ اِن کے ناولوں میں مولویوں کے متعلق بے زاری کا رویہ دیکھا گیا۔ ''ایامیٰ'' میں آزادی کے لیے دس سے بارہ مولویوں کے رشتے آتے ہیں تو اس کے مکالموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان رشتوں میں دلچسپی نہیں رکھتی بلکہ کسی کاروباری خاندان میں بیٹی کی شادی کرنا چاہتی ہے یا کوئی سرکاری ملازمت سے وابستہ ہو۔ میاں بیوی کے درمیان مکالمے کا انداز کچھ یوں ہے:

''مولوی کام کرتے ہیں۔ وعظ کہتے ہیں، طالب علموں کو پڑھاتے ہیں۔ لوگوں کو مسئلے مسائل بتاتے ہیں۔ کیا ان باتوں میں اِن کا وقت صَرف نہیں ہوتا۔ مولوی معاش سے بے فکر ہوں گے تو لوگوں کو ہدایت کریں گے۔''(۲۶)

اس ناول میں مولویوں کے حالاتِ زندگی اور طرزِ عمل پر گہری طنز ملتی ہے اور لوگوں کے رویوں پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ انگریزی تعلیم کے متعلق جو متشدد رویہ اس دور میں پایا جاتا تھا، بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر آزادی کے بیوہ ہونے کو لوگ اور خاندان والے اس بات کے عتاب سے جوڑتے ہیں جو آزادی کی ماں کا متنفر رویہ مولویوں کے بارے میں تھا۔ بیوگی کو مذہب کی توہین سے جوڑا جاتا ہے تو یہ باور کروائے جانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آزادی کی ماں سے بہت بڑا جرم صادر ہوا ہے جس کی سزا ''آزادی'' کی بیوگی ہے۔ ایسے ماحول اور

لوگوں کے رویے سے تنگ آ کر ''آزادی'' خودکشی کا ارادہ کتی ہے اور وصیت چھوڑ جاتی ہے۔ آزادی کا کردار مزاحمتی بیانیے کی اہم کڑی معلوم ہوتا ہے۔

ہادی بیگم ''آزادی'' کا خیال ہے کہ مولوی میں ہر بُرائی پائی جاتی ہے:

''ایک شکایت ہو تو بیان کروں۔ درجنوں، کوڑیوں۔۔۔ دوسروں کو زُہد کی تعلیم دیتے ہیں اور آپ مردے کی جائے نماز تک نہیں چھوڑتے۔ آپ تو نکھٹو تھے سو تھے انہوں نے احدیوں کی ایک پلٹن کی جو سارے ملک کو لوٹ کر کھا گئے اور ڈکار تک نہ لی۔''(۲۷)

ہادی بیگم کو ملال ہے کہ کیسے کیسے ڈھب اختیار کیے ہیں اس مافیہ گروپ نے مدرسوں کے نام پر چندہ اکٹھا کرتے اور خود اپنی ذات اور گھر پر خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کے نام لیے گئے مال کی جواب دہی کہاں دینی ہے اور کون ہے جو یہ تحقیق کرے گا کہ کیا جھوٹ یا سچ ہے۔ مفت کے مال کو خوب عیاشی سے خرچ کرتے ہیں۔ ڈیڑھ سو سال پہلے اور آج کے موجودہ حالات میں فرق کہاں ہے۔ آج بھی مذہب کے نام پر غنڈہ گردی عروج پر ہے۔ مولویوں کی شاہانہ زندگی اور اِن کے رہن سہن کے انداز پر نذیر احمد نے خوب تبصرہ کیا ہے۔ صفحات کے صفحات تفصیل سے بھرے پڑے ہیں۔ آزادی کے ماں باپ کے درمیان ہونے والی گفتگو کا عمدہ نقشہ ''ایامی'' میں ملتا ہے۔ ماں مولویوں کو فریبی اور مکار سمجھتی ہے۔ جب کہ والد انھیں انبیاء کے وارث قرار دیتے ہیں۔ بعض ناقدین نذیر احمد کو ناول نگار نہیں مانتے۔ مگر انھوں نے اپنے مضبوط اور مستحکم بیانیے کے ذریعے داستان سے آگے بڑھ کر ناول نگاری کی ابتداء کی اور مافوق الفطرت کرداروں کی بجائے انسانی کرداروں کو پیش کر کے طلسماتی کہانیوں سے کہانی کا رخ انسانی زندگی سے جوڑ دیا۔ غدر کے بعد کے معاشرتی حالات کیسے تھے؟ لوگوں کے طرزِ معاشرت کو نذیر احمد نے بڑے گہرے مشاہدے کے ساتھ اپنے ناولوں میں پیش کیا۔ معاشرت کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑے سے بڑی تفصیل اِن کے ناولوں کے بیانیے میں جابجا موجود ہے۔ انھوں نے مٹتی ہوئی تہذیب و اقدار کو ایسا بیانیاتی کینوس مہیا کیا ہے۔ اگر نذیر احمد کے ناول نہ ہوتے تو شاید بہت کچھ آج کے قاری کی نظروں سے اوجھل ہوتا۔

ڈاکٹر محمد افضال بٹ اپنے مقالے میں رقم طراز ہیں:

''نذیر احمد کے عہد میں مصلحتیں مجبوریاں اور ظاہر پرستی عام تھی۔ اس کے ناول انہی باتوں کی غمازی کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی اخلاقی، سماجی اور مذہبی اصلاح چاہتے ہیں۔ انہوں نے ناول کے کینوس کو مسلمانوں کی گھریلو اور اجتماعی زندگی تک محدود کر دیا ہے۔''(۲۸)

نذیر احمد کے ناولوں میں بیانیہ کی بھرپور تصور ملتی ہے۔ رومان کی کچھ چاشنی بھی ہے۔ واقعات فضا بھی جامع اور ٹھوس دلائل کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ حقیقت پسندانہ اور فنی کوشش مقصدیت پر بعض جگہ فوقیت رکھتی ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے تہذیب و معاشرت کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو انھیں اپنے اسلاف میں دکھائی دیتی تھی۔ اُس مخلوط تہذیب کو پیش کرنے کی کوشش کی جو انگریزوں کے برصغیر میں آنے اور حکومت کرنے سے مشرقی تہذیب پر اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ اس کشمکش سے جو تفاوت پیدا ہو رہا تھا اور مقامی معاشرت کس طرح متاثر ہو رہی ہے۔ یہ سارا منظر نامہ ان کے ناولوں میں نمایاں ہے۔ اِن کی حیثیت ایسے ملاح کی سی لگتی ہے جو ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچانے کے لیے اپنی سی کوشش کر رہا ہے۔ ان کے ہاں بھی اصلاحی ناول لکھ کر اِس مٹتی ہوئی تہذیب کو بچانے کا خیال زیادہ قوی نظر آتا ہے۔

پروفیسر عظیم لکھتے ہیں:

''نذیر احمد نے کہانی اور اصلاح، معاشرہ میں لازم و ملزوم کا جو رشتہ قائم کیا ہے۔ اس میں ایک خاص قسم کی منطقی فکر اور اصلاحی اور تبلیغی مزاج کو دخل ہے۔ نذیر احمد اردو کے پہلے قصہ نویس ہیں جنھوں نے ایک خاص معاشرے کی سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی زندگی کا غور سے مطالعہ کر کے

زندگی کے ساتھ گہری جذباتی وابستگی کو کہانی میں استعمال کیا کہ قصہ وقت گزاری کا مشغلہ ہونے کی بجائے معاشرتی زندگی کے مسائل کی مصوری اور اصلاح کا ذریعہ بن گیا۔"(۲۹)

ان کے ہاں طبقاتی تفاوت کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ انسانی رشتوں کے تفاعل بڑے سبھاؤ سے پیش کیے ہیں۔ تعلیم، معاشرت، تہذب و ثقافت، نفسیاتی، سماجیات، عمرانیات اور تاریخ ان کے ناولوں کے اہم موضوعات ہیں۔ انھوں نے قصہ کو بیانوی شکل دے کر ادب میں لازوال مقام عطا کیا۔ سماجی شعور اور تاریخ بصیرت رکھنے مین ان کا کوئی ثانی نہیں۔ جس نے ارتقائی فنی اسرار و رموز کی راہ ہموار کی۔ آج تک کسی نے بھی نذیر کے ناولوں پر اس لحاظ سے نظر نہیں کی کہ نئے بیانیات انداز اور پیش کش کی بنیاد رکھنے کا سہرا ان کے سر پر ہے۔ بیرونی تسلط کے پنجے میں زوال پذیر معاشرے نے انسانی رویوں کو کس طرح سے متاثر کیا ہے۔ اعلیٰ احکام سے لے کر نچلے طبقے تک کس ذہنی کرب اور تنزلی کا شکار نظر آتے ہیں۔ اس معاشرت کا ہو بہو عکس نذیر احمد کے ناولوں میں نظر آتا ہے۔ اپنے عہد کے سیاسی، اخلاقی اور تہذیبی بیانیے کا مکمل اظہار پیش کیا ہے۔

"رویائے صادقہ" میں خواب میں بیان ہوئی کیفیات کے منظر نامے کو پیش کیا گیا ہے۔ صادقہ مدہوشی کی کیفیات میں ایک نئی دنیا اور مناظرے کی کیفیت کو محسوس کرتی ہے۔ مکالماتی انداز اس ناول کی نمایاں خوبی ہے۔ "غدر" کے بعد جو معاشرتی انتشار برپا کیا جا رہا تھا کہ معاشرے کو مختلف فرقوں میں بانٹنے کی سازش عروج پر تھی۔ نذیر احمد جیسے صاحبِ ذی شعور نے اس نازک اور حساس بیانیے کو "رویائے صادقہ" میں بخوبی پیش کیا ہے۔ فرقہ ورانہ تعصب کو کمال ہنر مندی سے پیش کیا ہے۔ "فرقہ"، "صوفیہ" اور "فرقہ نیچر" پر بھی سیر حاصل بحث کو متن میں اس طرح بیان کیا ہے کہ کہیں قاری پر ثقالت کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ صادقہ کے مذہبی خوابوں میں خدا کی وحدانیت اور صفات کو قوی دلائل سے ثبات کرنے کی کوشش کی ہے۔ انسان کی بے حقیقت کو مثبت انداز سے پیش کرنے کی کوشش نمایاں ہے۔ مذہب اور دُنیا کی فکر کے ساتھ ساتھ آخرت کے متعلق یقین انسانی فطرت کا ارتعاش ہے۔ عبادت اور مذہبی مباحثہ کے مختلف رنگ نظر آتے ہیں۔ مقلدین اور غیر مقلدین کا معاشرے میں کیا مقام تھا اور ان کی ذہنی تفاوت اور خلافت کی وضاحت بڑے سلیقے سے پیش کی گئی ہے۔ سنی شیعہ اختلاف غرض اس عہد کے تمام موضوعات کو بڑے قرینے سے بیانیے کے فریم میں پیش کیا گیا ہے۔

"اسلام کو مولویوں سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا ان مشائخ کے گروہ سے ہے اور اس کی سند میں مَیں یہ کہنا چاہتا تھا کہ یوں تو دنیا میں بہتیرے ہی مذاہب ہیں ہر ایک مذہب کا مقصود اصلی ہے انسان کی اصلاح اسلام کو فوقیت توحید میں ہے۔"(۳۰)

علی گڑھ سے فارغ التحصیل لوگوں کے متعلق عام لوگوں کا جو ردِ عمل ہوتا تھا ان کے عقائد اور وضع قطع کے پیشِ نظر کیسے کیسے فتوے دیئے جاتے کہ یہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ ان تمام نظریات کو "رویائے صادقہ" میں بخوبی پیش کیا گیا ہے۔ اس ناول میں فنی محاسن کا بھی کافی خیال رکھا گیا ہے۔ قصہ گوئی ان کے تمام ناولوں پر چھایا رہا۔ داستان سے ناول کی طرف سفر میں یہ چیز لازمی بھی نظر آتی ہے۔ انیسویں صدی اس عہد کے بیانیے کی مکمل شکل نذیر احمد کے ناولوں میں نظر آتی ہے۔ بیرونی تسلط کے معاشرتی اثرات، فلسفے اور نظریات کا پورا پورا احیاء نظر آتا ہے۔ نذیر احمد کا کمال یہ ہے کہ اتنے مخدوش اور ذہنی انتشارات کے زمانے میں ایسے ایسے حساس پہلوؤں کو متن میں جگہ دی، جب منافرت کی فضا قائم تھی۔ داخلی اور قومی شناخت کی بقا کی جنگ لڑی جا رہی تھی ناول کی تاریخ اِن کی ناول نگاری کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

نذیر احمد کے ناولوں میں کردار، معاشرت، تہذیب و ثقافت، اخلاقی اور مذہبی دلائل کے غلاف میں لپٹے نظر آتے ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اُردو ناول ہیئت، اسالیب اور رجحانات ۱۹۴۷ء۔۲۰۰۷ء، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، طبع سوم، ۲۰۱۶ء، ص ۵۲

2. E.M Faster, Aspect of the Novel, Penguin, 1968, P: 37

۳۔ شاہد نواز، پاکستانی اُردو ناول میں عصری تاریخ، (۱۹۴۷ء تا ۲۰۰۷ء) شعبہ اردو یونیورسٹی آف سرگودھا، ۲۰۱۸ء، ص ۱۶

۴۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخ کا خاکہ، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، س ن، ص ۱۶۹۔۱۶۸

۵۔ نیاز احمد، مرتبہ: مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۷۹۱

۶۔ ایضاً، ص ۸۲۳

۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ادب میں عصریت کا مفہوم، مشمولہ: سہ ماہی ذہن جدید، مارچ تا مئی ۱۹۹۱ء، ص ۵۵

۸۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، ناول کیا ہے؟ الکتاب، کراچی، ۱۹۶۵ء، پیش لفظ، ص ۷

۹۔ ایضاً، ص ۴۶۶

۱۰۔ شفیق الرحمٰن، اردو ناول میں تکنیک کے تجربات، مقالہ پی ایچ ڈی (غیر مطبوعہ)، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۱۷ء، ص ۷۹

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۸۷

۱۲۔ نذیر احمد، توبتہ النصوح، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۲۳۶

۱۳۔ نیاز احمد، (مرتب)، مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، ص ۴۰۵

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۰۶

۱۵۔ ایضاً، مقدمہ: ڈاکٹر سلیم اختر، ص ۲۹

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۰

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۱

۱۸۔ اسلوب احمد انصاری، اردو کے پندرہ ناول، یونیورسل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۳ء، ص ۴۶

۱۹۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، اردو ناول کی تنقیدی تاریخ، سندھ ساگر اکادمی، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۲۹۔۳۰

۲۰۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، نیشنل بک ڈپو، حیدر آباد، ۱۹۷۳ء، ص ۱۹

۲۱۔ نذیر احمد، ابن الوقت، مشمولہ: مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۵۳

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۲۸

۲۳۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ، سندھ ساگر اکادمی، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۵۹

۲۴۔ قمر رئیس، پروفیسر، پریم چند کا تنقیدی مطالعہ بحیثیت ناول نگار، سرسید بک ڈپو، علی گڑھ، طبع چہارم، ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۸

۲۵۔ نذیر احمد، فسانہ مبتلا، مشمولہ: مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۷۷۵

۲۶۔ نذیر احمد، ایامی، www.cribd, com، ص ۳۷

۲۷۔ ایضاً، ص ۳۸

۲۸۔ محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۴۴

۲۹۔ وقار عظیم، پروفیسر، داستان سے افسانے تک، ردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۰ء، ص ۵۹۔۶۰

۳۰۔ نذیر احمد، رویائے صادقہ، مشمولہ: مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۱۳۳